تجدیدِ دین- مفہوم،ضرورت اور حدُود

اختر حسین عزمی*

جب ہم اسلام کے دین فطرت اور شریعت کے دائمی و ہمہ گیر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، تو اس کا واضح مطلب یہ ہوتا ہے کہ دین وشریعت اسلامی میں ہر زمانے کے فطری تقاضوں کو پورا کرنے اور ہر ماحول کی طبعی ضرورتوں اور مسائل کا حل کرنے اور انکے قالب میں روح شریعت کو جاری وساری کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔اسلام کو دین کامل کہنے کا ہرگز یہ منشا نہیں ہوتا کہ **الیوم اکملت لکم دینکم** کے الفاظ کے نزول کے ساتھ انسانی معاشرہ اسی حالت میں جامد ہو کررہ گیا۔تمدنی ترقیات، علمی تحقیقات، مادی تجربات، سائنسی ایجادات اوران کے نتیجے میں پیدا ہونے والی معاشی ومعاشرتی ضروریات کی وجہ سے ہر دور اور ماحول میں تغیر وتبدل ایک فطری امر ہے اور اسلام معاشرے کو جامد کرنے کی بجائے معاشرے میں ضروری اصلاح اور دین کے معاملاتی پہلو میں تجدید سے کام لے کر زندگی کو با مقصد اور مفید بنانے پر زور دیتا ہے۔

یہ دور سائنس وٹیکنالوجی کا دور ہے۔ جو قوم بھی اخلاقی تنظیم کے ساتھ ساتھ ٹیکنالوجی کی صلاحیت کی مالک ہوگی وہی عصر حاضر کی قیادت وسیادت کے منصب پر فائز ہوگی۔اسلام اپنی ہدایات وتعلیمات کے اعتبار سے دنیا کی قیادت ہی کے لیے آیا ہے ورنہ محض روحانی تسکین کا سامان تو دوسرے مذاہب میں بھی موجود ہے۔ اس لیے دو باتوں میں سے ایک کو طے کیے بغیر چارہ نہیں:

۱۔ یا تو اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح محض رسوم وعبادات کا مجموعہ ہے اور اس کو زندگی کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ یا یہ کہ اسلام کامل نظام زندگی ہے جس میں ہر دور کے انسان کی رہنمائی کا سامان موجود ہے۔

کوئی بھی صاحب فہم پہلی بات کی تائید نہیں کر سکتا جبکہ دوسری صورت میں ملت کے قیام و بقا کے لیے

---

* لیکچرر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج پتوکی

زندگی کی نئی راہوں سے واقفیت ناگزیر ہے۔ جس طرح دینی علوم اور اخلاقی وعبادات سے غفلت مسلمانوں کے ملی تشخص کو ختم کر دے گی اسی طرح عصری علوم وفنون اور تمدنی تبدیلیوں سے روگردانی مسلمانوں اور ان کے مذہب کو ''عجوبہ'' بنا کر رکھ دے گی۔ کیونکہ زمانہ ہماری خاطر قدیم شکلوں کو قبول نہیں کرے گا پھر قدیم تنظیم کے سہارے کامیابی کی راہیں کیونکر کھلیں گی۔ نتیجتًا اسلام کو بھی معاشرے میں وہی حیثیت قبول کرنا پڑے گی جو مذہب کو یورپ میں حاصل ہے۔ بقول مولانا تقی امینی:

''پوپ اور پادری اب بھی موجود ہیں لیکن دنیوی حالات ومعاملات کی رہبری سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عزت واحترام اور نیاز مندی کے چڑھاوے برابر چڑھ رہے ہیں لیکن بس اسی حد تک کہ ان کے ذریعے زندگی کا خالی خانہ پُر ہو کر نفس کی تسکین کا سامان ہو۔''(۱)

کیا اسلام بھی اس مقام پر قناعت کر سکتا ہے؟ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

''نہ یہ بات کافی تھی کہ اقتدار جاہلیت کے ہاتھ میں ہو اور اسلام محض ایک ثانوی قوت کی حیثیت سے کام کرے اور نہ یہی بات کافی تھی کہ چند افراد یہاں اور چند وہاں محدود وانفرادی زندگیوں میں اسلام کے حامل بنے رہیں، اور وسیع تر اجتماعی زندگی میں اسلام اور جاہلیت کے مختلف النوع مرکبات پھیلے رہیں لہٰذا دین کو ہر دور میں ایسے طاقتور اشخاص، گروہوں اور اداروں کی ضرورت تھی، اور ہے جو زندگی کی بگڑی ہوئی رفتار کو بدل کر پھر سے اسلام کی طرف پھیر دیں۔''(۲)

دین میں تجدیدی عمل کی مسلّمہ حیثیت کے اس مختصر بیان کے بعد ہم تجدید کے لغوی واصطلاحی مفہوم، اس کے جواز کی بنیاد حدیث ''من یجد لھا دینھا'' کی تحقیق کے ساتھ ساتھ شارحین حدیث وعلماء نے اس حدیث کی جو شرح کی ہے وہ مختصر مختصر پیش کریں گے۔

تجدید کا لغوی مفہوم

الجدّ: اس مادہ میں اصل معنی کاٹنے یا قطع کرنے کے آتے ہیں جیسے ''الثوب الجدید، کاٹے ہوئے کپڑے کے لیے بولتے ہیں۔(۳)

بعد ازاں ہر اس چیز کو جدید کہنے لگے جس کی پیدائش نئی نئی ہوئی ہو۔(۴)

''الرّائید'' میں اس کے دو معانی بیان ہوئے ہیں .

۱۔مالم یکن لنا به عهد سابق۔۲۔ نو ع من المسکو کات النقدیه القدیمة(۵)

جدّ د یا تجد ید کے معنی ہیں

(الف) نیا کرنا، اچھی طرح تحقیق کرنا۔

(ب) تازہ کرنا، پہلی حالت پر واپس لانا(۶)

مولانا عبدالرحمن کیلانی کے مطابق قرآن میں نئی چیز یا نئے پن کے لیے تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔حدث ۲۔بدع ۳۔جدید

۱۔ حدیث کے معنی کسی چیز کا عدم سے وجود میں آنے کی حیثیت سے نیا ہونا ہے مثلاً ساری مخلوقات حادث ہے۔**لعلّ الله یحدث بعد ذالک امرا (الطلاق:۵۶:۱)**۔

۲۔ بدع کے معنی:

(الف) نظیر رکھنے والی اشیا میں سے سب سے پہلی چیز

(ب) ایسی چیز بنانا جس کی مثال یا نمونہ پہلے موجود نہ ہو جیسے ارشادی باری ہے **قل ما کنتُ بدعاً من الرّسل (الاحقاف:۴۶:۹)**

۳۔ جدید: جب اس کے معنی نیا ہونا ہو تو اس سے مراد ایسی چیز ہوتی ہے جس کی نظیر پہلے موجود ہو اور وہ چیز قابل استعمال ہو اور استعمال کے بعد پرانی اور بوسیدہ ہو جائے جیسے فرمایا: **اَفَعَیِینا با لخلق الاوّل بل هم فی لبس من خلق جدید (ق:۵۰۔۵۱)(۷)**

موخرالذکر آیت پہلے سے موجود چیز از سرِ نو بنانے یعنی تجدید کے مفہوم کے بارے میں واضح ہے اس لیے کہ فرمان الٰہی کا مقصود یہ ہے کہ جب ہم پہلی تخلیق سے عاجز نہیں تو ہمارے لیے دوبارہ اسی شکل میں پیدا کرنا کیسے مشکل ہو جس کے بارے میں وہ شک کرتے ہیں۔ظاہر ہے قیامت کے دن انسان کی پیدائش ''حدث'' یا ''بدع'' نہیں ہے بلکہ سابقہ انسان کی اصل کو ہی از سرِ نو بحال کرنا ہے۔البتہ قرآن میں جدید کا لفظ بالکل نئی چیز کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ صاحب ''تاج'' نے الجدید کا معنی لکھا ہے ''وہ چیز جس کے ساتھ تمہارا واسطہ نہ رہا ہو'' (۸) اسکی مثال ہے **ان یشاء یذھبکم ویات بخلقٍ جدید** (ابراہیم۱۴:۱۹) یعنی وہ چاہے تو تم لوگوں کے لے جائے اور ایک نئی خلقت لے آئے (جس سے تمہیں کبھی واسطہ ہی نہ رہا ہو)

تجدید کا عمومی مفہوم:

تجدید کیا ہے؟ اسکی وضاحت میں علامہ یوسف القرضا لکھتے ہیں ''تجدید کا مطلب کسی چیز کو بالکل تبدیل یا مسخ کر کے اسکی جگہ کوئی نئی چیز لانا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب کسی چیز کو اسکی اصل کی طرف لوٹانا ہے اور یہ کوشش کرنا ہے کہ اسکی اصل صفات، اسکے اصل جوہر اور اسکی بنیادی خوبیوں کی مکمل حفاظت کی جائے، انہیں کسی طرح کا نقصان نہ ہونے دیا جائے .... تجدید کا مفہوم مادی چیزوں پر بھی منطبق ہوتا ہے، اور مصنوعی چیزوں پر بھی'' (۹)

مولانا وحیدالدین خاں کے بقول: ''تجدید یا جدّد کے معنی ہیں بنا کرنا۔ کسی چیز پر بعد کو پیش آنے والے بگاڑ کو ختم کر کے اس کو اپنی پہلی صورت پر لے آنا'' (۱۰)

مولانا نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

''کسی نظریاتی روح کے ساتھ جو تمدن تحریکوں کی شکل میں اٹھتے ہیں'' انکی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے اندر بار بار تجدید و احیاء کے رجحانات ابھرتے ہیں، جو اصل آئیڈیالوجی کو آمیزشوں سے پاک کر کے بحال کرنے اور تمدن کو اس کے مطابق ڈھالنے کے لیے برسرِ عمل ہوتے ہیں، یہ بالکل ایسے ہوتا ہے جیسے ایک زندہ درخت خزاں کے دور گزار کر بار بار نئی کونپلیں نکالتا ہے۔ (۱۱)

تجدیدِ دین سے مراد کیا ہے؟

تجدید دین کے مفہوم و مراد کی وضاحت میں صاحب عون المعبود فرماتے ہیں ''ان المـــراد مـــن التـجـديـد احيـاء ما اندرس من العمل بالكتاب والسنّة والامر بمقتضاهما واماتة ظهر من البلدع والمحدثات. '' (۱۲)

مولانا مودودیؒ کی نظر میں تجدید کا کام یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت کے تمام اجزاء سے چھانٹ کر الگ کیا جائے اور کسی نہ کسی حد تک اس کو اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔ (۱۳)

علامہ یوسف القرضاوی کے مطابق ''تجدید دین کا مطلب یہ ہے کہ فہم دین اور علم دین کو از سرِ نو تازہ کرنا، جو فکری تجدید کہلاتی ہے۔ یا ایمان کی تجدید کرنا جو روحانی تجدید کہلاتی ہے یا دعوت دین اور طریقہ دعوت

ئی تجدید کرنا جو عملی تجدید کہلاتی ہے۔(۱۴)

مولانا وحید الدین خاں رقم طراز ہیں:

''حدیث میں جس تجدیدی عمل کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دین کی تعلیمات کو از سرِ نو اسکی اصل صورت میں واضح کرنا، دین کو انسانی ملاوٹوں سے پاک کر کے، اسکی ابتدائی صورت میں لے آنا، جیسا کہ پیغمبر نے اسکو اپنے زمانہ میں پیش کیا تھا،(۱۵) اسلام اور جاہلیت کا کوئی نیا مرکب بنانے یا جاہلیت سے مصالحت کی صورتیں نکالنے کا نام تجدید دین نہیں مولانا مودودی کے الفاظ ہیں یہ تجدّد ہے(۱۶) علامہ یوسف القرضاوی کی نظر میں حقیقی مجدّد وہ ہوتا ہے جو دین کی تجدید، دین کیلئے دین کے ساتھ کرے۔ لیکن جو شخص مشرق یا مغرب والوں کے مفادات کیلئے دین کی تجدید، مستشرقین یا ملحدین کے افکار و نظریات سے کرے اسے حقیقی تجدید سے دور کا بھی واسطہ نہیں''(۱۷)

تحقیق حدیث ''من یجدّد لھا دینھا''

ابوداؤد کی روایت ہے''حدثنا سلیمان بن داؤد المھری نا این وھب اخبر نی سعید بن ابی ایوب عن شرحیل بن یزید المعافری عن ابی علقمہ عن ابی ھریرہ فیما اعلم عن رسول اللہ قال انّ اللہ یبعثُ لھذہٖ الامۃ علیٰ راسِ کل مائۃ سنۃ من یجدّد لھا دینھا''۔(۱۸)

مستدرک حاکم کی روایت یوں ہے

''حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب، ثنا الربیع بن سلیمان بن کامل المرادی، ثنا عبداللہ بن وھب، اخبر نی سعید بن ابی ایوب، عن شرحبیل بن یزید، عن ابی علقمہ، عن ابی ھریرہ ولا اعلمہ الّا عن رسول اللہ قال: انّ اللہ یبعث الیٰ ھذہٖ الامۃ علی راس کلّ منۃ سنۃ من یجدّ لھا دینھا''۔(۱۹)

ابن عدی کے مطابق اس حدیث کو ابو داؤد نے کتاب اعلاحم ج:۴/۱۵۶ میں حاکم نے مستدرک اور بیہقی نے معرفۃ السنن اور جامع الصغیر ج:۱/۷۴ میں رقم کیا ہے(۲۰)

عصر حاضر کے عظیم محقق حدیث علامہ ناصر الدین البانی اس روایت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''اخرجہ ابو داؤد (۴۲۹۱) و ابو عمرو الدانی فی ''الفتن'' (۱/۴۵) والحاکم

(۴/۵۲۲) والبیھقی فی معرفة السنن والآثار (ص ۵۲) والخطیب فی "التاریخ" (۲/۶۱)

والھروی فی "ذم الکلام" (ق ۱۱۱/۲)" (۲۱)

صاحب عون المعبود نے اس حدیث کی صحت کے بارے حفاظِ حدیث کے درج ذیل اقوال کا ذکر کیا ہے

"وقال السیوطی فی مرقاہ الصعود اتفق الحفاظ تصحیح منھم الحاکم فی المستدرک والبیھقی فی المدخل وممن نصّ علیٰ صحته من المتاخرین الحافظ ابن حجر وقال العلقمی فی شرح الجامع قال شیخنا التفق الحفاظ علیٰ انه حدیث صحیح". (۲۲)

اسی قول کی تائید علامہ فخر الحسن گنگوہی نے "التعلیق المحمود" میں کی ہے (۲۳)

علامہ ناصر الدین البانی اس حدیث کے طرق کے بیان کے بعد اس ک صحت کے بارے میں اپنی تحقیق بیان کرتے ہیں "قلت: و سکت علیه الحاکم والذھبی، واما المناوی فنقل عنه انهٗ صححه، فلعله سقط ذالک من النسخة المطبوعة من "المستدرک" واسند صحیح، وجاله ثقات ورجال مسلم" (۲۴)

علامہ شمش الحق عظیم آبادیؒ نے اس حدیث کی سند کے طرق پر تفصیلی بحث کے بعد اپنی تحقیق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"والحاصل انّ الحدیث مروی من وجھین من وجه متصل ومن وجه معضل واما قول ابی علقمه فیما اعلم ان رسول اللهﷺ فقال المنذری لم یجزم برفعه. قلت نعم الکن مثل ذالک لا یقال من قبل الرای انما ھو من شان النبوة فتعین کونه مرفوعاً الی النبیؐ اعلم. (۲۵)

اس حدیث کے مرفوع ہونے کی تائید میں علامہ فخر الحسن گنگوہیؒ نے ابوبکر البز ار کے قول کا ذکر کیا ہے۔

"وقال ابو بکر البزار سمعت عبدالملک بن عبدالحمید المیمونی یقول کنت عند احمد بن حنبل فجری ذکر الشافعی فرایته یرفعه فقال یروی عن النبی علیه السلام انه قال یبعث لھٰذہ الامة علی راس کل مئة سنة من یقرر لھا دینھا...... واخرج ابو اسمٰعیل الھروی من طریق احمد بن زنجویه قال سمعت احمد بن حنبل یقول یروی فی الحدیث

عن النبیؐ انّ اللّٰہ عِن علیٰ اھل بیتی یبین لھم امر دینھم" (۲۶)

صاحب عون المعبود اس حدیث کو مرفوع قرار دیتے ہیں

"فیما اعلم الظاھر ان قائلہ ابو علقمہ یقول فی علمی ان اباھریرہ حدثنی ھذا الحدیث مرفوعا لا موقوفا علیہ" (۲۷)

یہ حدیث امت میں مشہور و متداول رہی ہے بالخصوص صدر اوّل کے ائمہ حدیث کے درمیان مجدّ دین کے تعین کے بارے میں یہ حدیث موضوع بحث رہی ہے۔علامہ گنگوہی لکھتے ہیں:

"وقال الحافظ ابن حجر و ھذ ایشعر بان الحدیث کان مشھورا فی ذالک العصر ففیہ تقویۃ سندہ مع انہ قوی لثقہ رجالہ " (۲۸)

شرح حدیث

زیر نظر حدیث میں وارد لفظ ''اُمّۃ'' سے مراد کونسی امت ہے؟ صاحب عون المعبود اس سے مراد امت اجابت لیتے ہیں اور ساتھ امت دعوت ہونے کے احتمال کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔

"ای امۃ الاجابۃ و یحتمل امۃ الدعوۃ" (۲۹)

مصری محقق عبدالمتعال الصعیدی کی رائے بھی قابل لحاظ ہے لکھتے ہیں

"انّ المراد من الامۃ فیہ امۃ الاجابہ، وھم المسلمون، ویجوز ان یراد امۃ الدّعوۃ، و ارادہ ھذا ظاھرۃ علی الاساس الذی قدمتہ فی فھم التجدید فی الاسلام، لانّہ کما سبق یراد منہ النھوض الدین والمدنی، وھو یتعدی من المسلمین الیٰ من یعاصر ھم کما حصل من قیام النھضۃ الاوربیۃ بتاثیر النھضۃ الاسلامیۃ" (۳۰)

"علیٰ راس کل مائۃ سنۃ" سے کیا مراد ہے؟ صاحب عون المعبود فرماتے ہیں:

"قالہ القاری ای انتھائہ او ابتدائہ اذا قلّ العلم والسّنۃ و کثر الجھل والبدعۃ قالہ القاری وقال المنادی فی مقدمۃ فتح القدیر واختلف فی راس المائۃ ھل یعتبر من المولد النبوی أو البعثۃ أو الھجرۃ أو الوفات." (۳۱)

علامہ شمس الحق، امام سیوطیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس سے مراد صدی کا آخر ہے، اول نہیں۔ان

کے نزدیک اسکی دلیل یہ ہے کہ امام زھری، امام احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ متقدمین ومتاخرین اس پر متفق ہیں کہ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور دوسری صدی کے مجدد امام شافعیؒ ہیں اور عمر بن عبدالعزیز کی وفات ۱۰۱ھ میں اور امام شافعیؒ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی تھی۔(۳۲)

دونوں بزرگوں کے سنِ وفات کو دلیل قرار دینا ایک تکلف محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ یہ ایک اتفاقی امر بھی ہوسکتا ہے کہ انکی وفات صدی کے سروں پر ہوئیں۔ عصر حاضر کے مفکر سید ابوالاعلیٰ مودودی اس رائے کے برعکس فرماتے ہیں۔

''اس حدیث سے بعض لوگوں نے تجدید اور مجدد دین کا بالکل ہی ایک غلط تصور اخذ کرلیا انہوں نے ''علی راس کل مائۃ'' سے صدی کا آغاز یا اختتام مراد لے لیا اور ''من یجدد لھا'' کا مطلب یہ سمجھا کہ اس سے مراد لازماً کوئی ایک ہی شخص ہے، اس بناء پر انہوں نے تلاش کرنا شروع کردیا کہ اسلام کی پچھلی تاریخوں میں کون کون ایسے اشخاص ملتے ہیں جو ایک ایک صدی کے آغاز یا اختتام پر پیدا ہوئے یا مرے ہوں اور انہوں نے تجدید دین کا کام بھی کیا ہو۔ حالانکہ نہ رأس کے معنی سر کے ہیں اور صدی کے سر پر کسی شخص یا گروہ کے اٹھائے جانے کا مطب صاف طور پر یہ ہے کہ وہ اپنے دور کے علوم، افکار اور رفتارِ عمل پر نمایاں اثر ڈالے گا''۔(۳۳)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں

''معلوم ہوتا ہے کہ اصل روایت مین بِکُلِّ قرن، کے الفاظ رہے ہونگے جن کو روایت بالمعنیٰ نے علیٰ راس کل مـئة سـنة کردیا۔ قرن کے معنی جہاں صدی کے آتے ہیں وہاں دور اور امت کے بھی آتے ہیں، اور قرآن مجید کے استعمالات میں یہی معنی غالب ہیں۔''(۳۴)

ڈاکٹر یوسف القرضاوی بھی اسی سے ملتی جلتی رائے کا اظہار فرماتے ہیں:

- ''اللہ ایسے شخص کو ضرور پیدا کرے گا جو صدی کے اخیر یا وسط میں امت کو تفریق سے تنظیم، موت سے زندگی اور غفلت سے بیداری میں لائے گا۔''(۳۵)

ایک وقت میں کیا صرف ایک ہی مجدد آئے گا یا زیادہ بھی آسکتے ہیں؟ اس بارے میں علامہ شمس الحق فرماتے ہیں:

''اعلم انه ایلزم ان یکون علی راس کل مائة مجدّد'' واحدٰ فقط بل یمکن ان یکون

اکثر من واحد قال الحافظ ابن حجر فی توالی التاسیس حمل بعض لائمه من فی الحدیث علی اکثر من الواحد وھو ممکن بالنسبة للفظ الحدیث الّذی سعته" (۳۶)

صاحب عون المعبود کے مطابق حافظ ابن حجر کے نزدیک لازم نہیں کہ تجدید کے تمام خصائل ایک ہی شخص میں پائے جائیں سوائے عمر بن عبدالعزیز کے، کیونکہ وہ خیر کی تمام صفات سے متصف تھے اور وہ پہلے مجدد ہیں۔ان کے بعد اگر کوئی ان صفات سے متصف بھی ہو تو ممکن نہیں کہ وہ جہاد اور عدل وانصاف جیسے تمام شعبوں میں تجدید کر سکے۔(۳۷)

عبدالمتعال سعیدی کے مطابق حافظ ابن کثیر کے نزدیک ہر میدان میں الگ الگ مجدد ہو سکتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"قال الحافظ عماد الدین بن کثیر: قدادّ عی کل قوم فی امامھم انه المراد بھذا الحدیث، والظاھر انّه یعم حمله العلم من کل طائفة و کل صنف من اصناف العلماء مفسدین و محدثین و فقھا و نحاة والغویین"۔(۳۸)

علامہ رشید رضا مصری کے رائے میں بیک وقت مختلف علاقوں میں مختلف علوم وشعبہ جات کے مجددین ہو سکتے ہیں۔(۳۹)

سید مودودی مجددین کی تعداد کے بارے میں اسی رائے کے موافق رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "'من' کا لفظ عربی زبان میں واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔اس لیے 'من' سے مراد ایک شخص بھی ہو سکتا ہے، بہت سے اشخاص بھی ہو سکتے ہیں اور پورے پورے ادارے اور گروہ بھی ہو سکتے ہیں...... ضروری نہیں کہ ایک صدی کا مجدد ایک ہی شخص ہو۔ایک صدی میں متعدد اشخاص اور گروہ یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام دنیائے اسلام کے لیے ایک ہی مجدد ہو، ایک وقت میں بہت سے ملکوں میں بہت سے آدمی تجدید دین کے لیے سعی کرنیوالے ہو سکتے ہیں"(۴۰)

مولانا امین احسن اصلاحی کی رائے بھی اسی رائے کے موافق ہے۔فرماتے ہیں:

"'من' کے لفظ کو ایک تیسرے درجے کا مولوی واحد کے معنی میں لے گا۔یہ لفظ جس طرح واحد کے لیے آتا ہے۔اسی طرح جمع کے لیے بھی آتا ہے۔میرے نزدیک یہ مضمون بالکل وہی ہے جو 'لاتزال طائفة من

امتـی ' والی حدیث میں بیان ہوا ہے۔یعنی اللہ ہر دور میں امت کے اندر ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہے گا جو دین کی تجدید کرتے رہیں گے، جو لوگوں نے پیدا کر دیا ہو گا۔لہٰذا میرے نزدیک ہر صدی میں کسی متعین شخصیت کو مجدد قرار دینے کا نظریہ درست نہیں۔تمام صلحائے امت نے ہر زمانے میں دین کی جو خدمت کی ہے، وہی وہ تجدید دین ہے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی تھی۔''(۴۱)

علامہ یوسف القرضاوی بھی اسی رائے کے حامی ہیں لکھتے ہیں:

''شارحین حدیث کی ایک اکثریت اس حدیث میں وارد لفظ مَن سے مراد کوئی ایک شخص لیتی رہی ہیں......لیکن بہت سے علمائے کرام نے لفظ 'مَن' کے متعلق کہا ہے کہ یہ لفظ چونکہ جمع کے لیے بھی اسی طرح بولا جاتا ہے جس طرح مفرد کے لیے۔اس لیے ضروری نہیں کہ مجدد ایک مفرد ہی ہو بلکہ پوری جماعت پر بھی مجدد کا اطلاق ہو سکتا ہے۔امام ابن الاثیر، حافظ ذھبی اور دوسرے بہت سے علماء نے بھی یہ رائے اپنائی ہے۔میں اس رائے میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ ضروری نہیں کہ ایک مجدد جماعت سے مراد چند افراد کا مجموعہ ہی ہو کہ فلاں فلاں مل کر اس صدی کے مجدد ہیں بلکہ ایک پوری تحریک، پوری جماعت اور پورا مدرسۂ فکر بھی تجدید دین کا فریضہ سرانجام دے سکتا ہے۔''(۴۲)

مشکوٰۃ المصابیح کے مترجم صادق خلیل اس حدیث کے فوائد لکھتے ہیں

''ضروری نہیں کہ ایک ہی مجدد ہو بلکہ متعدد مجدد بھی ہو سکتے ہیں''(۴۳)

ہر دور کے مجددین کے تعین میں بھی اختلاف رہا ہے،اس بارے میں علامہ وحید الزمان خاں لکھتے ہیں:

''علما نے بہت اختلاف کیا ہے کہ پہلی صدی سے لے کر تیرھویں صدی کے اخیر تک کون کون لوگ مجدد ہوئے ہیں، ہر ایک گروہ نے اپنے معتقد علیہ شخص کو مجدد قرار دیا ہے۔بظاہر جس شخص سے قرآن و حدیث کا نشر ہوا، ہدایات پھیلی، وہی مجدد ہے۔(۴۴)

''المجددون فی الاسلام'' کے مصنف اس اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوۓ لکھتے ہیں' والـنـقـتـصر الآن عـلیٰ هـذا فـی بیان خلافهم فی اسماء المجدّدین. ولکنّا نضیف الیٰ هذا الخلاف مثلاً مما یدعو الیه تعصب بعض الفرق علی بعض''(۴۵)

وہ کون سے حالات ہوتے ہیں جن میں اللہ مجدد مبعوث کرتا ہے؟ صاحب عون المعبود اس بارے میں

ملا علی قاریؒ کا ایک قول نقل کرتے ہیں

''قاله القاری (علیٰ راس کل مائة سنة) ای انتهائه او ابتدائه اذا اقل العلم والسنة وکثر الجهل وابدعة'' (۴٦)

عبدالتعال الصعیدی، علامہ رشید رضا مصری کا قول نقل کرتے ہیں:

''انما المجددن یبعثون بحسب الحاجة الیٰ لتجدید لما ابلی الناس من لباس الدین، وهدموا من بنیان العدل بین الناس، فکان الامام عمر بن عبدالعزیز مجدداً فی القرآن الثانی لما ابلی قومه بنو امیه واخلقوا، وما مزقوا بالشقاق وفرّقوا، وکان الامام احمد بن حنبل مجدّدا فی القرن الثالت لما خلق بعض بنی العباس من لباس السنّة، ورشاد سلف الائمة، باتباع ماتشابه من الکتاب ابتغا الفتنه وابتغا تاویله''۔(۴۷)

کیا مجدد کا معصوم عن الخطا ہونا ضروری ہے؟ اس بارے میں مولانا مودودیؒ کہتے ہیں۔

''کسی شخص کے مجدد ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ہر لحاظ سے مرد کامل ہے اور اس کا کام نقائص سے پاک ہوتا ہے۔ اس کو مجدد قرار دینے کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ اس کا مجموعی کارنامہ تجدیدی خدمت کی شہادت دیتا ہو۔ لیکن ہم سخت غلطی کریں گے اگر کسی کو مجدد قرار دینے کے بعد اسکو بے خطا سمجھ لیں اور اسکی ہر بات پر ایمان لے آئیں۔ نبی کی طرح مجدد معصوم نہیں ہوتا''۔(۴۸)

مولانا مودودی کی نظر میں مجدد کے الہام اور تعلیمات ماننے یا نہ ماننے پر ایمان منحصر نہیں ہوتا البتہ مجدد کو فی الجملہ اسی نوعیت کا کام کرنا ہوتا ہے، جو نبی کے کام کی نوعیت ہوتی ہے''۔ (۴۹)

ظاہر ہے دین کے مقصد و منہاج، اسکے مزاج، اسکے تاریخی ارتقاء کو کما حقہ سمجھے بغیر تجدید کے اس عظیم اور نازک فرض کو حسن نیت اور اخلاص کے باوجود بخوبی سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ اس ضمن میں مجدد کے لیے دو اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے۔

۱۔ ماخذ دین پر گہری نظر

۲۔ تقویٰ واعتماد ملّت

مذہب خواہ کوئی بھی ہو اس کے ماخذ بالعموم دو ہی ہوتے ہیں ایک الہامی کتاب اور دوسرے وہ شخصیت

جس پر کتاب نازل ہوئی ہے، اس کا اپنا عمل کیونکہ یہ اسوہ ہی الہامی کتاب کی صحیح تعبیر وتفسیر ہوتا ہے۔ دین میں تجدید واجتہاد کا مقام محض سطحی مطالعے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ امام شافعیؒ کے مطابق دین میں فتوی دینا صرف اس شخص کیلئے جائز ہوسکتا ہے جو کتاب اللہ میں گہری بصیرت رکھتا ہو۔ ناسخ ومنسوخ، محکم متشابہ، تاویل وتنزیل، مکی ومدنی سورتوں کے پس منظر سے پوری طرح آگاہ ہو، اسکے ساتھ علم حدیث سے پوری طرح آگہی رکھتا ہو۔ شعر ولغت اور ہر وہ چیز جو قرآن وحدیث کے سمجھنے میں کام آتی ہو، ان کا عالم ہو۔ علاوہ بریں منصف مزاج، متوازن ذہن اور مختلف ممالک اور علاقوں کے باشندوں کے مزاج، عادات کو بھی سمجھنے والا ہو اور سب سے بڑھ کر استنباط واجتہاد کا حامل ہو۔ (۵۰)

حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت یحیٰ بن اکثمؒ سے مفتی کے خصائص دریافت کئے تو انہوں نے فرمایا" حدیث کا حافظ اور رائے میں بصیرت رکھنے والا ہو اور اس سے مراد مصالح اور ان علتوں کی پوری آگہی ہے جن پر شریعت الٰہی قائم ہے۔" (۵۱)

ان بزرگوں نے ایک مفتی کے بارے میں جن اوصاف کا ذکر کیا ہے، ان کا ایک مجدد میں پایا جانا تو بدرجہ اتم ناگزیر ہے کیونکہ مجدّد کا کام محض مسند افتا پر بیٹھ کر فتوے جاری کرنا ہی نہیں بلکہ نظام شریعت کو عملاً نافذ و جاری کرنا بھی ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک طرف لوگوں کے مزاج کو جانے، انکے اندر دین سے انحراف اور بغاوت کے جو رجحانات پیدا ہو چکے ہیں ان کی نوعیت کا صحیح تعین کرے، اور پھر ان سارے حالات کو سامنے رکھ کر وہ طریقہ اختیار کرے جس سے لوگ راہِ بغاوت ترک کر کے راہِ دین اختیار کریں۔ صاحبِ عون المعبود فرماتے ہیں:

"ولا یعلم ذالک المجدّد الّا بغلبة الظّن ممن عاصره من العلماء بقرائن احواله والانتفاع بعلمه اذا لمجدّد للدّین لابد ان یکون عالما بالعلوم الدینیه الظاهره والباطنه ناصر السنة قامعاللبدعة وان یعم علمه اهل زمانه......فظهر ان المجدد ولا یکون الّا من کان عالماً بالعلوم الدینیه ومع ذلک من کان عزمه وهمته اناء الّیل والنهار احیاء السنن ونشرها ونقر صاحبهما وامانه البدع ." (۵۲)

شاہ ولی اللہ کے نزدیک احکام شریعت کے مصالح اور علتوں کا فہم وادراک بہت ضروری ہے فرماتے ہیں

''دین الٰہی میں کوئی شے عبث نہیں ہوتی، ان افعال کے ساتھ رضائے الٰہی یا اسکی ناراضی کا تعلق ضرور کسی نہ کسی سبب سے ہوتا ہے۔ان اسباب اور علتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک بر و اثم یعنی وہ امور جو افراد اور معاشرے کی بھلائی اور برائی کے ذمہ دار ہیں، دوسرے وہ امور جن کا مقصد دین کے اندر تحریف کا سدّ باب ہے۔اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل فرمایا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ شرعی احکام کے پیچھے جو مصالح اور علتیں موجود ہیں وہ ایسی نوعیت کی ہوں جو آسانی سے انکی سمجھ میں آ سکیں۔ جیسے شراب نوشی کی حرمت، تو اس کے مفاسد اور خرابیاں اتنی واضح ہیں کہ انہیں ہر شخص جانتا ہے۔'' (۵۳)

دین علم و عمل کی یکجائی کا نام ہے۔تجدیدی کام کی افادیت اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے۔جب مجدد کو علت کے صاحب الرائے افراد کا اعتماد حاصل ہوا اور یہ چیز اس وقت تک حاصل نہ ہوگی جب تک وہ اسکی زندگی میں دین کی پوری جھلک اور اس کے کردار میں تقویٰ و پرہیزگاری کا عملی مشاہدہ نہ کرلیں۔کسی شخص کی محض دینی معلومات کی وسعت لوگوں کو اس کا عقیدت مند نہیں بنا سکتی۔مجرد وسعت علمی کو امت کی پوری تاریخ میں کبھی بھی کوئی پائیدار قبول عام حاصل نہیں ہوا۔ابوالفضل اور فیضی کی وسیع معلومات و ذہانت سے کسے انکار ہے۔زبان و ادب میں ان کے رسوخ، منطق و فلسفہ میں ان کی مہارت اور مغلیہ دربار میں ان کی قدر و منزلت کے باوجود مجدّدیت کا مقام اُمت میں صرف شیخ سرہندی کو حاصل ہوا۔اسکی وجہ یہی ہے کہ حضرت شیخ میں دین کی سچی تڑپ اور احیائے دین انکی زندگی کا مقصود تھا جبکہ ابوالفضل اور فیضی کے سامنے محض بادشاہوں کی خوشنودی اور عزت و جاہ کا حصول تھا۔اس قبیل کے لوگوں نے اپنی وسعت معلومات کے زور پر مختصر عرصے کے لیے معدودے چند لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کر بھی لیا تو جلد انکی فریب کارانہ سرگرمیوں کا پردہ چاک ہوگیا، ان متجددین کی ناکامی کی وجہ یہی تھی کہ عوام کو ان کے خلوص نیت اور دیانت و تقویٰ پر بھروسہ نہ تھا۔

ان دو بنیادی اوصاف کی موجودگی کے ساتھ کیا مجدّد کیلئے ہر شعبہء زندگی کا جامع ہونا لازمی شرط ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی کی رائے میں تخصیص کے اعتبار سے ہر شعبے کا الگ الگ مجدّد ہو سکتا ہے فرماتے ہیں:

''کبھی ان میں سے ہر ایک اپنے شعبہ یا دائرہ میں تجدید کرتا ہے۔کبھی وہ جمعیت یا رابطہ کی شکل میں ایک دوسرے سے رابطہ کرتے ہیں، کبھی ان میں بعض دعوت و ثقافت میں تجدید کرتے ہیں اور فقہ میں اور باقی تہذیب و تربیت میں تجدید کرتے ہیں۔بعض اصلاح معاشرہ میں، دوسرے اقتصادی میدان میں اور باقی

جماعتیں سیاسی میدان میں تجدید کرتی ہیں۔" (۵۴)

مولانا مودودی نے اپنے انداز سے تجدید کو نو شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اپنے ماحول کی صحیح تشخیص ۲۔ اصلاح کی تجویز ۳۔ خود اپنی حدود کا تعین

۴۔ ذہنی انقلاب کی کوشش ۵۔ عملی اصلاح کی کوشش ۶۔ اجتہاد فی الدین

۷۔ دفاعی جدوجہد ۸۔ احیائے نظام اسلامی ۹۔ عالمگیر انقلاب کی کوشش (۵۵)

ان شعبوں کے بیان کے بعد لکھتے ہیں:

"ان شعبوں پر غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تین مدات تو ایسی ہیں جو ہر شخص کیلئے ناگزیر ہیں جو تجدید کی خدمت انجام دے۔ لیکن باقی چھ مدیں ایسی ہیں جن کا جامع ہونا مجدد ہونے کیلئے شرط نہیں ہے۔ بلکہ جس نے ایک، دو، تین یا چار شعبوں میں کوئی کارنامہ انجام دیا ہو، وہ بھی مجدد قرار دیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس قسم کا مجدّد جزوی مجدّد ہوگا، کامل مجدّد نہ ہوگا۔ کامل مجدّد صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو ان تمام شعبوں میں پورا کام انجام دے کر وراثت نبوی کا حق ادا کر دے۔" (۵۶)

مندرجہ بالا بحث لغوی تحقیق اور شارحین حدیث کی بحث کی روشنی میں ہمارے سامنے عملِ تجدید کے دو نمایاں پہلو نکھر کے سامنے آتے ہیں:

(الف) تمدنی ارتقا سے دین کی مطابقت کے لیے تجدید

(ب) اصل دین کی از سر نو بحالی کے لیے تجدید

(الف) تمدنی ارتقاء سے دین کی مطابقت کے لیے تجدید:

جب ہم کسی قدیم نظریہ پر آج کل کے حالات میں عمل کرنا چاہتے ہیں تو معاشرے کی بدلی ہوئی ساخت اور اس کا بدلہ ہوا رنگ و آہنگ اس کی راہ میں طرح طرح کی مشکلات پیدا کرتا ہے، جن میں ایک عبادات، کا مسئلہ اور دوسرے "معاملات" کا۔ عبادت کا تعلق چونکہ انسان کی انفرادی زندگی سے ہے۔ اس لئے تغیر زمانہ اس کی معروضی کیفیت پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتا جبکہ "معاملات" کی نوعیت انفرادی کم اور معاشرتی واجتماعی زیادہ ہوتی ہے، جیسے آج سائنس کی روز افزوں ترقی اور تمدنی ارتقاء نے معاشرے کی ہیئت اور اس کی ضروریات کو یکسر بدل دیا ہے اس لئے ہمیں شرعی احکام پر عمل کرنے میں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا

پڑتا ہے، لیکن نئی دنیا کو قبول کئے بغیر بھی چارہ نہیں۔ ان تغیرات کا لحاظ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بات کی تشخیص کرنا بھی از حد ضروری ہے کہ ساتویں صدی کے عرب کے مقابلے میں آج اکیسویں صدی کی دنیا کس انداز سے مختلف ہے۔ آج کی دنیا ٹیکنالوجی اور تسخیر کائنات کی نوعیت کے لحاظ سے، تنظیموں اور باہمی تبادلات کی ہیئت کے اعتبار سے، آسائشاتِ زندگی اور طبعی دنیا کے بارے میں معلومات کی مقدار کے لحاظ سے یقیناً مختلف ہے لیکن کیا انسانی فطرت بدل گئی۔ کیا انسانی فطرت میں موجود فخر وغرور، جارحیت وسرکشی، حرص ونفرت اور عیاشی و بدمعاشی کے عناصر کمزور پڑ گئے؟ کیا انسان کے اندر گناہ کا رجحان اور جرائم کی شرح کم پڑ گئی؟ کیا انسان میں اللہ کے ساتھ بہت سے خدا بنانے اور درحقیقت خود اپنے کو انا ربکم الاعلیٰ کہلوانے کا داعیہ ختم ہو گیا؟ ظاہر ہے ایسا نہیں ہوا۔ ابدی مذہب وہی ہو سکتا ہے جو موخر الذکر پہلو سے اپنی ایک مستقل حیثیت قائم رکھتا ہے جس میں حالات و معاشرہ کی تبدیلی کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں جبکہ اوّل الذکر تبدیلیوں اور انکے تقاضوں سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے اپنے اندر لچک رکھتا ہے۔ اس لئے کہ معاملات سے نبٹنے اور اپنے اجتماعی کردار کی ادائیگی کے لیے اس کے بغیر چارہ نہیں کہ انسان نئے دور کے احساسات وخیالات اور اس کے مطالبات سے ہم آہنگ ہونے کے لیے ایسی سبیل تلاش کرے جس سے سابقہ دور کی حقیقی معنویت بھی قائم رہ سکے، اور نئی تبدیلیوں کے فوائد کے حصول میں بھی کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ تجدید کے اس پہلو کا تعلق سراسر اجتہاد سے ہے۔

تجدیدی عمل سے گریز کا بنیادی سبب یہ خیال ہے کہ مبادا لوگ تجدید کو مطلقاً دین میں کمی یا زیادتی کرنے کا اختیار سمجھ لیں۔ حالانکہ لفظ تجدید سے خوفزدہ ہونے کی بجائے ضرورت اس بات کی ہے کہ تجدید کے مفہوم و مراد، اسکے مقاصد اور اس کی حدود کا تعین کر دیا جائے۔ تاکہ تجدید کے نام پر کوئی شخص دین کو بازیچۂ اطفال نہ بنا سکے۔ مثلاً کیا ہم ہر قسم کے زمانی تغیرات کو تجدید دین کے لئے، تقاضا قرار دے سکتے ہیں؟ مولانا مودودیؒ کی رائے میں ان تغیرات کو ہم دو قسموں پر منقسم کر سکتے ہیں۔

ا۔ وہ تغیرات جو درحقیقت تمدنی احوال کے بدل جانے سے رونما ہوتے ہیں اور جو دراصل انسان کے علمی و عقلی نشوونما، خزائن الٰہی کے مزید اکتشافات اور مادی وسائل واسباب کی ترقی اور حمل ونقل اور مخابرات کی سہولتوں، ذرائع پیداوار کی تبدیلی اور بین الاقوامی تعلقات کی وسعتوں کے طبعی نتائج ہیں۔ ایسے تغیرات اسلامی قانون کے

نقطہ نظر سے طبعی اور حقیقی تغیرات ہیں۔ انکے لئے اصول شریعت کے تحت نئے احکام وضع کئے جائیں۔

۲۔ وہ تغیرات جو دراصل تمدنی ترقی کے فطری نتائج نہیں ہیں بلکہ دنیا کے معاشی و سیاسی نظام پر ظالم سرمایہ داروں کے حاوی ہو جانے کی وجہ سے رونما ہوئے ہیں، انہوں نے تمدن کے ترقی یافتہ اسباب و وسائل سے کام لیکر انہی پرانے جاہلانہ نظریات کونت نئی صورتوں سے اجتماعی زندگی کے مختلف معاملات پر پھیلا دیا۔ اس قسم کے تغیرات شریعت اسلامی کی نگاہ میں حقیقی اور طبعی تغیرات نہیں بلکہ جعلی تغیرات ہیں جنہیں قوت سے مٹایا جا سکتا ہے اور جن کا مٹایا جانا نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔ (۵۷)

تغیرات زمانہ سے مذہبی فکر پر مرتب ہونے والے اثرات کا تجزیہ مولانا محمد تقی امینی ایک دوسرے زاویے سے کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں:

''دور کی تبدیلی سے معاشرتی زندگی میں دو قسم کی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئی ہیں (۱) تنظیمی اور (۲) اخلاقی تنظیمی تبدیلیوں کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں ہوتا اور اخلاقی تبدیلیوں کو بوجوہ قبول کرنے سے ملی وجود ختم ہو جاتا ہے۔ جن مذاہب کی تعلیمات کا دائرہ محدود اور اجتماعات میں زیادہ دخیل نہیں ہوتا، انکے ماننے والے بڑی آسانی سے ہر قسم کی تبدیلیوں کے ساتھ سمجھوتہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس اقدام سے جب ملی وجود خطرے میں ہوتا ہے تو اسکی تلافی قوم و وطن کے نام سے کر لیتے ہیں لیکن جس مذہب کی تعلیمات کا دائرہ وسیع اور انفرادیت و اجتماعیت دونوں کو حاوی ہوتا ہے، اس میں اور ان تبدیلیوں میں قدم قدم پر ٹکراؤ کی صورت نمودار ہوتی ہے جسکی بنا پر اس مذہب کے ماننے والوں کو سخت قسم کی کشمکش سے گزرنا پڑتا ہے...... یہ ٹکراؤ دراصل مذہب سے نہیں ہوتا بلکہ قدیم و جدید میں ہوتا ہے۔ جو کہ فطری ہے اور جدید کا فتحیاب ہونا یقینی ہے۔ مذہب قدیم تنظیم کا نام نہیں جبکہ ان تعلیمات کا ہے جو اس کا اندر حلول کئے ہوئے ہیں۔ جس طرح ''قدیم'' کو انکے ذریعے مذہبی بنایا گیا تھا اسی طرح ''جدید'' کو ہر دور میں ان کے ذریعے مذہبی بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ مذہب اب تک ''قدیم تنظیم'' سے وابستہ رہا ہے، اسی بنا پر اس کی شکست مذہب کی شکست سمجھی جاتی ہے۔'' (۵۸)

علامہ یوسف القرضاوی کی نظر میں ہر زمانہ اور ہر دور مختلف پہلوؤں سے اجتہاد و تجدید کا محتاج ہوتا ہے مگر دین کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے جس کی تجدید کسی صورت بھی نہیں کی جا سکتی۔ اس حصے کو ثوابت یا قطعی امور کہا جاتا

ہے یعنی عقیدے، عبادات، اخلاق اور قانون وغیرہ سے متعلق اسلام کے واضح اور دوٹوک احکام۔ یہ عقائد و تعلیمات امت مسلمہ کی فکری، عقائدی، شعوری اور عملی وحدت کا مظہر ہیں۔''(۵۹)

(ب) اصل دین کی ازسرِ نو بحالی کیلئے تجدید

تجدید کا دوسرا پہلو اصل دین کی ازسرنو بحالی ہے۔ تمدنی تغیرات اور ارتقاء کے پیش نظر اجتہاد کے لیے یہ بنیادی شرط ہے کہ مجتہد کو دینی فکر کی اصل تک رسائی ہو ہر دور کی اجتہادی ضروریات سے آگاہ ہو۔ اصل دین اور دین پر بعد کے ادوار میں ہونے والی تعبیرات اور اجتہادی واستنباطی آراء میں فرق کرسکے۔ تاکہ نئے حالات کے اجتہاد کا تعلق ازسرِ نو دین کی اسی اصل سے قائم ہو جائے جس سے متقدمین نے استنباط کیا تھا۔ دینی احیاء کی یہ صورت اسی وقت ممکن ہے جب تعلیمات دین، انسانی آمیزشوں اور جاہلی اثرات کے گردوغبار سے پاک و صاف ہوکر اپنی اسی شکل اور رنگ میں عوام وخواص کے سامنے آجائیں جیسا کہ پیغمبر نے انہیں پیش کیا تھا۔

دین میں انسانی اضافہ ابتداء میں وقتی محرکات کے تحت وجود میں آتا ہے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ مقدس بن کر اصل خدائی مذہب کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس کولوگ اسی طرح مقدس جاننے لگتے ہیں جس طرح وحی کو ماننا چاہئے۔ بالفاظ قرآن وہ اپنے احبار و رھبان کو خدا کے سوا اپنا رب بنالیتے ہیں۔ آسمانی متن ہی انسانی اضافہ کے محرکات بالعموم دوقسم کے ہوتے ہیں

ا۔ مذہب کی حقیقت کو خارجی طور پر متعین کرنے کی کوشش جیسے بائبل کے ابتدائی ابواب میں قربانی کی انتہائی جزئی تفصیلات اور مسیحیت میں رہبانیت کے نام پر رائج بدعت۔ یہ چیزیں جو ابتداء یہودی عبادت یا مسیحی روحانیت کا خارجی ڈھانچہ بنانے کی کوشش کے سلسلے میں وجود میں آئیں، دھیرے دھیرے خود یہودیت اور مسیحیت کا جزو بن گئیں۔

(۲) انسانی اضافوں کا دوسرا محرک مذہب کی تعلیمات کا عقلی اصطلاحوں میں بیان کرنیکی کوشش ہے جیسے موجودہ مسیحیت کے عقاید تثلیث کفارا بنت مسیح وغیرہ ہیں۔ یہ سب مسیحی متکلمین کی باتیں تھیں، جو مسیحی علماء نے شام سے باہر مصریوں اور یونانیوں کو مسیحی بنانے کی خاطر ان کی مانوس زبان میں بیان کیں۔ یہ باتیں دھیرے دھیرے مقدس ہوتی چلی گئیں۔ اسی طرح ہر دور میں اسلام کا چہرہ بھی گردآلود ہوتا رہا ہے تاہم اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک زبردست نوعی فرق ہے۔ دیگر مذاہب میں فقہ وتصوف یا علم کلام کے اضافے، ان

کے اصل آسمانی متن کا حصہ بن گئے حتی کہ اب یہ معلوم کرنا ہی ناممکن ہوگیا کہ انکی کتاب مقدس کا کونسا جزو ہے جو خدا نے ان کے رسول پر اتارا تھا اور کونسا وہ ہے جو بعد کے لوگوں نے اضافہ کر کے اس میں شامل کر دیا۔ اس کے برعکس اسلام، ہر قسم کے اضافوں کا شکار ہونے کے باوجود، اصل خدائی متن (قرآن) کو آج بھی مکمل طور پر محفوظ کئے ہوئے ہے اور کسی بھی شخص کے لیے ممکن ہے کہ وہ انسانی اضافوں کو الگ کر کے اصل خدائی دین کو دریافت کر سکے۔ (۶۰)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مطابق اسلام کے مقابلے میں انسان اور کائنات کے متعلق تین ہی مابعد الطبیعی نظریئے قائم ہوئے ہیں جنھیں دنیا نے جزئیات و فروع سے قطع نظر اصولی حیثیت سے اختیار کیا۔ انہوں نے انہیں (۱) جاہلیت خالصہ (الحاد و دھریت) (۲) جاہلیت مشرکانہ (۳) جاہلیت راہبانہ سے تعبیر کیا۔ خلافت راشدہ کے بعد سید مودودی کے مطابق:

''اس معکوس انقلاب کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہی تھا کہ اسلام کا نقاب اوڑھ کر تینوں قسم کی جاہلیتوں نے اپنی جڑیں پھیلانی شروع کر دیں اور ان کے اثرات روز بروز پھیلتے چلے گئے۔'' (۶۱)

جاہلیت خالصہ کے زیر اثر بادشاہوں نے السلطان ظل اللہ کی آڑ میں مطاع مطلق کی حیثیت اختیار کرنے کی کوشش کی یہ طبعی امر تھا کہ جاہلی بنیادوں پر ادب و ہنر، علوم وفنون مرتب ہوں۔ چنانچہ یونانی فلسفے اور عجمی علوم و آداب نے اسلامی سوسائٹی میں جگہ بنالی۔ جاہلیت مشرکانہ کا حملہ صریح بت پرستی کی صورت میں ممکن نہ تھا۔ اب پرانے معبودوں کی جگہ بزرگانِ دین کو دے دی گئی۔ پرانے معبودوں کی جگہ مقابر اولیاء کو حاصل ہوئی۔ پرانی رسوم عبادات کو نئی اسلامی اصطلاحات سے تبدیل کیا گیا۔ جاہلیت راہبانہ نے علماء و مشائخ، زھاد اور پاکباز لوگوں پر حملہ کیا جس کے اثر سے اشراقی فلسفہ راہبانہ اخلاقیات اور زندگی کے بارے میں مایوسانہ نقطہ نظر اسلامی سوسائٹی میں پھیلا۔ اس راہبانہ تصور نے اسلامی علوم وفنون میں جمود اور تنگ خیالی پیدا کی اور ساری دینداری کو چند خاص مذہبی اعمال میں محدود کر کے رکھ دیا۔ مولانا مودودی کے بقول انہی تین اقسام کی جاہلیتوں کے ہجوم سے اسلام کو نکالنا اور پھر سے چمکا دینا، وہ کام تھا جس کیلئے دین کو مجددین کی ضرورت پیش آئی۔ اگرچہ یہ گمان کرنا صحیح نہ ہوگا کہ اس طغیانِ جاہلیت میں اسلام بالکل ختم ہوگیا تھا جاہلیں کلیتہً غالب آ گئی تھی۔ (۶۲)

کیا تجدید اور سلفیت باہم متصادم ہیں؟

بعض لوگ تجدید کو اسلاف سے انحراف قرار دیتے ہیں۔ کیا سلف کے علمی ذخیرے سے بے اعتنائی برتنا اور انکی علمی تحقیق پر عدم اعتماد کرنا تجدید کا کوئی لازمی عنصر ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تجدید اور سلفیت میں کوئی اختلاف وتعارض نہیں ہے۔ بلکہ یہ دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں۔ کیونکہ تجدید کے بغیر سلفیت کا وجود ہی باقی نہیں رہ سکتا اور اسلاف کے بغیر صحیح تجدید ناممکن ہے۔

قائلین سلف کے ہاں اقوال سلف کے بارے میں عموماً دو رویے پائے جاتے ہیں ایک تو یہ ہے کہ ان کے متوازن ومتکامل کلی منہاج کی تو پرواہ نہ کی جائے، انکے صرف جزوی اقوال قابل تقلید سمجھے جائیں اور دوسرا رویہ یہ ہے کہ ان کی تعلیمات اور طریق کار کی اصل اور کلی روح ومقصد کو اخذ کر کے اپنے حالات وزمانہ کی رعایت کرتے ہوئے مسئلے کا حل نکالا جائے۔ اگرچہ کہ اس طرح اسلاف کی بعض جزوی آراء واجتہادات سے، انکا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے، اختلاف ہی کرنا پڑے۔ اگر ہر مسئلے میں ان کے مقلدِ محض اور تابع مہمل کی سی حیثیت اختیار کی جاتی ہے تو اس سے تو خود ان ائمہ ہی کے اس نظریے کی مخالفت ونفی لازم آتی ہے، جسکی وہ دعوت دیتے رہے۔

امام مالکؒ وامام ابوحنیفہؒ سے لیکر امام ابن تیمیہؒ تک سلف کا موقف یہی رہا ہے کہ خوب غور وفکر کے بعد دلائل کی پیروی کی جائے اور مضمون کہنے والے سے زیادہ نفس مضمون پر توجہ دی جائے اگر آج کوئی شخص ابن تیمیہ یا ابن قیم کی رائے کے خلاف کسی رائے کو وزن دینے کے لیے تیار نہیں تو وہ آخر امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے مقلدین محض کیونکر معترض ہوسکتا ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی کے بقول دور جدید میں جس مقتدر ہستی نے سلفیت کی صحیح دعوت دی، اس کا دفاع کیا اور اپنے مقالات، تالیفات اور رسائل کے ذریعے تیس سال تک سلفیت کا پرچم بلند کئے رکھا وہ ہستی علامہ رشید رضا کی ہے۔ انکے مجلّہ المنار کو مشرق ومغرب کے اہل علم میں جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ شاید ہی کسی دینی جریدے کو حاصل ہوئی۔ اگر کوئی انکی تفسیر المنار اور انکے فتاویٰ کا جائزہ لے یا ''الوحی المحمدی'' ''یسر الاسلام'' ''نداء للجنس اللطیف'' ''الخلافۃ'' اور ''محاوراۃ المصلح والمقلد'' کا مطالعہ کرے تو وہ خود اندازہ لگائے گا کہ محمد رشید رضا عصر جدید کے اسلامی قافلے میں مقتدر قائد اور روشن مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی زندگی بھی ان کے سلفی نظریات کا حقیقی نمونہ تھی۔ (۶۳)

تجدید کا تسلسل

تجدیدی عمل کوئی ایسی چیز نہیں جو عصر جدید کے چند لوگوں کی ذہنی اختراع ہو۔ بلکہ یہ عمل ابتدائے اسلام سے جاری ہوا اور ہر زمانے میں جاری رہے گا۔ مشکوٰۃ میں مندرجہ بیہقی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔"**یحمل ھذا العلم من کلّ خلف عدوله، ینفون عن تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین.** (۶۴)

ملت اسلامیہ میں جاری تجدیدی عمل کے تسلسل کے بارے میں مولانا ابوالحسن ندویؒ لکھتے ہیں:

"خود تاریخ کا دیانتدارنہ اور وسیع وعمیق مطالعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اصلاح وتجدید کی کوششیں، جاہلیت اوظلمت سے کشمکش، باطل تحریکوں، وقت کے فتنوں، اسلام پر اندرونی و بیرونی حملوں، دشمن اسلام طاقتوں کی سازشوں، اعتقادی وفکری ضلالتوں، عملی واخلاقی انحرافات و بےعنوانیوں سے نبردآزمائی اوران کے مقابلے میں صف آرائی کا سلسلہ، جوہر اسلام اور رُوح اسلام کو مصفیٰ و منقح پیش کرنے کی غیر منقطع اور مسلسل طریقہ پر جاری رہی۔"(۶۵)

حوالہ جات

۱۔ امینی، محمد تقی، مولانا "احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت" اسلام آباد، اسلامک بک کارپوریشن، ۱۹۹۲ء، ص:۱۷

۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، "تجدید واحیائے دین" لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۸ء ص:۴۱

۳۔ **ابن منظو "لسان العرب المحیط" جلد اول، دار لسان العرب ،بیروت، سن، ن، ص: ۴۱۴، ۴۱۵**

۴۔ راغب اصفہانی، علامہ، مفردات القرآن (ترجمہ مولانا عبدہ، فیروزآبادی) لاہور، اہل حدیث اکادمی، ص:۱۳۷

۵۔ جبران مسعود "الرّائد" بیروت، دارالعلم للملائیسین ،۱۹۶۷ء

۶۔ "مصباح اللغات" لاہور، مقبول اکیڈمی ۱۹۵۰ء

۷۔ کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا "مترادفات القرآن" لاہور، مکتبہ السلام، ص:۲۴۴

۸۔ الزبیدی، مرتضی، سید،تاج العروس، جلد ثانی، بن غازی، دار لیبیا للنشر والتوزیع س، ن، ص: ۳۱۳

۹۔ قرضاوی،علامہ یوسف،"تحریک اسلامی۔طریق وترجیحات" کراچی،ادارہ معارف اسلامی،۱۹۹۵ءص:۸۸

۱۰۔ وحیدالدین خاں،مولانا"تجدید دین"،لاہور،دارالتذکر،۱۹۹۶ءص:۵

۱۱۔ نعیم صدیقی"معرکہ دین وسیاست"لاہور،ادارہ معارف اسلامی۱۹۸۹ءص:۱۸

۱۲۔ شمش الحق عظیم آبادی،علامہ،"عون المعبود" جلدالرابع،انصاری پریس دھلی۱۳۲۳ھ ص:۱۸۰

۱۳۔ مودودی،ابوالاعلیٰ،سید،"تجدیدواحیائے دین"ایضاً ص:۴۴

۱۴۔ قرضاوی،یوسف،علامہ ایضاً ص:۸۹

۱۵۔ وحیدالدین خاں،مولانا،ایضاً ص:۵

۱۶۔ مودودی،ابوالاعلیٰ،سید،ایضاً ص:۴۴

۱۷۔ قرضاوی،یوسف،علامہ"عصری مسائل کے لیے شرعی ضوابط کے تحت اجتہاد" مترجم عبدالجبار سلفی، ماہنامہ"محدث"لاہور،اگست۲۰۰۰ءص:۵۷

۱۸۔ ابوداؤد،سلیمان بن اشعث"سنن ابوداؤد" جلد سوم،کتاب الملاحم،لاہور،نعمانی کتب خانہ ۱۹۸۷ء، ص:۳۵۱،۳۵۲

۱۹۔ حاکم،محمد بن عبداللہ،امام"المستدرک علی الصحیحین"الجزالرابع،کتاب الفتن والملاحم دراسۃ وتحقیق مصطفیٰ عبدالقادرعطا،بیروت،دارلکتب العلیمہ ۱۹۹۰ءص:۵۶۷

۲۰۔ ابی احمد عبداللہ بن عدی"الکامل"بغداد،مطبع سلمان الاعظمی س،ن ص:۱۸۲

۲۱۔ البانی، ناصر الدین، محمد، "الاحادیث الصحیحہ" جلد ثانی، بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۹۸۲ء ص: ۱۵۰

۲۲۔ شمش الحق عظیم آبادی،علامہ"عون المعبود فی شرح ابی داؤد"الجلد الرابع،دھلی،انصاری پریس، ص:۱۸۲

۲۳۔ گنگوہی،فخرالحسن،علامہ"التعلیق المحمود" جلد ثانی،کراچی،ایچ ایم سعید کمپنی،۱۳۸۷ھ ص:۲۳۳

۲۴۔ البانی،ناصرالدین،محمد،محولا بالا ص:۱۵۱

۲۵۔ شمش الحق عظیم آبادی، محولا بالا، ص: ۱۸۲

۲۶۔ گنگوھی، فخر الحسن، علامہ محولا بالا

۲۷۔ شمش الحق عظیم آبادی، محولا بالا، ص: ۱۷۸

۲۸۔ گنگوھی، فخر الحسن، محولا بالا

۲۹۔ شمش الحق عظیم آبادی محولا بالا

۳۰۔ عبدالمتعال الصعیدی، " المجددون فی الاسلام" مصر، مکتبة الاداب، ۱۹۶۲ء ص: ۹

۳۱۔ شمش الحق عظیم آباد محولہ بالا

۳۲۔ محولہ بالا

۳۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید محولا بالا ص: ۴۲

۳۴۔ اصلاحی، امین احسن، مولانا ''فلسفے کے بنیادی مسائل'' لاہور، فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء ص: ۲۴۶

۳۵۔ قرضاوی، یوسف، علامہ ''عصری مسائل کے لیے شرعی ضوابط کے تحت اجتہاد'' ماہنامہ ''محدث''
محولا بالا، ص: ۵۶

۳۷۔ ایضاً ص: ۱۸۱

۳۸۔ عبدالمتعال الصعیدی۔ محولا بالا ص: ۱۱

۳۹۔ ایضا ص: ۱۴

۴۰۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، محولا بالا ص: ۴۲، ۴۳

۴۱۔ اصلاحی، امین احسن مولانا۔ محولہ بالا

۴۲۔ قرضاوی، یوسف، علامہ ''تحریک اسلامی۔ طریق و ترجیحات، ایضاً ص: ۱۵

۴۳۔ شیخ ولی الدین الخطیب ''مشکوۃ المصابیح جلد اول (مترجم مولانا صادق خلیل)، فیصل آباد، ادارہ ترجمہ و
تالیف، ۱۹۹۰ء

۴۴۔ وحید الزماں خاں ''ترجمہ و فوائد سنن ابوداؤد'' لاہور، نعمانی کتب خانہ، ۱۹۸۷ء ص: ۳۵۲

۴۵۔ عبدالمتعال الصعیدی، محولا بالا ص: ۱۵

۴۶۔ شمس الحق عظیم آبادی محولا بالا ص:۱۷۸

۴۷۔ عبدالمتعال الصعیدی محولا بالا ص:۱۳

۴۸۔ مودودی، ابوالاعلی، سید محولا بالا ص:۱۳۷

۴۹۔ ایضاً ص:۴۶

۵۰۔ ابن قیم، ابوعبداللہ الجوزی ''اعلام الموقعین'' (مترجم مولانا محمد جوناگڑھی) جلد اول، لاہور، مکتبہ قدوسیہ ۱۹۹۹؛ ص ۴۹

۵۱۔ محولہ بالا ص:۴۹

۵۲۔ شمس الحق عظیم آبادی ایضاً ص:۱۸۰

۵۳۔ شاہ ولی اللہ دھلوی، ''حجة اللہ البالغہ' جز اوّل، قاھرہ، دار الکتب الحدیثہ (س ۔ ن) ص:۱۹۸، ۱۹۹

۵۴۔ قرضاوی، یوسف علامہ، عصری مسائل کے لیے شرعی ضوابط کے تحت اجتہاد، ''محدث'' ایضاً ص:۵۶

۵۵۔ مودودی، ابوالاعلی، سید محولا بالا ص:۴۷، ۴۸

۵۶۔ محولا بالا ص:۴۸، ۴۹

۵۷۔ مودودی، ابوالاعلی، سید ''سود'' لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۱ ص:۱۹۶

۵۸۔ امینی، محمد تقی، مولانا، محولا بالا ص:۱۹۶

۵۹۔ قرضاوی، محمد یوسف، علامہ، ''تحریک اسلامی طریق وترجیحات'' محولا بالا ص:۸۹

۶۰۔ وحید الدین خاں، مولانا، محولا بالا ص:۱۷، ۱۸

۶۱۔ مودودی، سید ابوالاعلی ''تجدید واحیائے دین'' محولا بالا ص:۳۷

۶۲۔ ایضاً ص:۴۰

۶۳۔ قرضاوی، محمد یوسف، علامہ، محولا بالا ص:۸۷

۶۴۔ شیخ ولی الدین، محمد بن عبداللہ، ''مشکوۃ المصابیح'' جلد اول (مترجم مولانا صادق خلیل) محولا بالا ص:۱۲۷

۶۵۔ ندوی، ابوالحسن علی، ''عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح'' کراچی، مجلس نشریات اسلام ۱۹۸۹ ص:۵۴